ایمان... اصلاحِ انسانیت کا تریاق

تحریر: شاہدہ محمد علی معلّمہ جامعہ اثریہ للبنات جہلم

قوموں اور جماعتوں کی اصلاح بغیر کسی اصول و ضابطہ کے محض اتفاقات کے تھپیڑوں سے نہیں ہو جایا کرتی۔ جو قومیں گرنے کے بعد سنبھلنے اور اضمحلال کے بعد اپنے اندر قوت و توانائی پیدا کرنے کی آرزومند ہوتی ہیں وہ اپنے سامنے تربیت و اصلاح کا واضح پروگرام اور عزم رکھتی ہیں۔ جن پر عمل پیرا ہوئے بغیر وہ رفعت و سربلندی کا کوئی مقام حاصل نہیں کرسکتیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کی سنت ہے۔ قرآن مجید میں اس اصول کی بڑے صاف الفاظ میں یوں نشاندہی کی گئی ہے: ﴿إن الله لايغير مابقوم حتى يغيروا مابأنفسهم﴾
ترجمہ: ''اللہ تعالیٰ کسی قوم کی حالت نہیں بدلتے، جب تک وہ اپنی حالت خود نہ بدلے''۔ بزبانِ شاعر:

خدا نے آج تک اس قوم کی حالت نہیں بدلی
نہ ہو جس کو خیال آپ اپنی حالت کے بدلنے کا

مگر اپنی حالت کو بدلنے والی بات بہت مشکل ہے۔ دریاؤں کے رخ بدلنے آسان ہیں۔ زمین کا سینہ شق کرنا اور پہاڑوں کے جگر چھید نا ممکن ہے مگر قلوب و نفوس کے اندر تبدیلی بہت ہی مشکل ہے۔ اس ناممکن کو ممکن بنانے والی قوت صرف ایک ہے اور وہ ہے ایمان کی قوت۔

ماہرینِ نفسیات کا کہنا ہے کہ انسان کی تربیت و اصلاح کا ایک وقت معین ہوتا ہے یعنی سنِ طفولیت، اگر یہ وقت گزر جائے تو پھر تکوینِ عادات اور تہذیب و اخلاق کی کوششیں رائیگاں جاتی ہیں۔ اس طرح وہ اس امر کو بھی بہت اہمیت دیتے ہیں کہ آدمی جس ماحول میں پیدا ہوتا ہے اور پھر پروان چڑھتا ہے۔ وہ بھی اس کے بناؤ بگاڑ کا بہت حد تک ذمہ دار ہوتا ہے لیکن ہم جس قوتِ ایمانی کا ذکر کر رہے ہیں۔ اس کی معجزہ نمائی اور کارفرمائی ہر آن مسلّم ہے۔ چاہے آدمی عمر کے کسی مرحلہ میں داخل ہو اور چاہے اس کے حالات اس کی تبدیلی کی راہ میں سنگِ گراں بن کر کھڑے ہوں۔ ایمان کی اک لہر اس کے دل و دماغ کو بدل کر رکھ دیتی ہے۔

دربارِ فرعون سے وابستہ جادوگروں کی قلبِ ماہیت کو دیکھ لیجئے۔ ذرا غور کیجئے! ان کی شخصیات کیسے بدل کر رہ گئیں۔ کتنا بڑا اصلاحی انقلاب آناً فاناً ان کے اندر برپا ہو گیا۔ کہاں ان کی سوچ کا یہ انداز کہ:

﴿ أإن لنا أجراً إن كنا نحن الغالبين ﴾ ترجمہ: ''ہمیں انعام تو ملے گا اگر ہم غالب رہے۔''

اور کہاں یہ بلندیٔ فکر کہ: ﴿ ولن نؤثرک علی ماجاء نامن البینات ﴾

ترجمہ: ''ہم تجھ کو کبھی ترجیح نہیں دیں گے ان روشن دلائل پر جو ہمارے پاس آ چکے ہیں''۔

اور پہلی نیازمندی کے مقابلے میں ذرا بعد کی جرأتِ ایمانی کے تیور دیکھیئے:

﴿فاقض ما أنت قاض ﴾ ترجمہ: 'تو ہمارے خلاف جو بھی فیصلہ کرنا چاہے کر لے۔''

آج مغربی حکمران حیران ہیں کہ باشندگانِ عرب جو بکریاں چرایا کرتے تھے، قوموں اور ملکوں کے حکمران کیونکر بن گئے؟ بادیہ نشین تمدن وحضارۃ کے رموز کیسے پا گئے؟ انہیں فتح ونصرت کا کون سا گر ہاتھ آ گیا تھا کہ قیصر وکسری کے باجبروت حکومتوں کے تختے الٹنے میں نامیاب ہو گئے؟ لیکن جاننے والے جانتے ہیں کہ اس میں حیرت کی کوئی بات نہیں اور وہ راز بھی زیادہ دیر راز نہ رہا بلکہ سرّ عیاں ہو چکا ہے۔

عربوں کی کایا پلٹ دینے والی چیز اکسیر ایمان تھی۔ جس کے ذریعے سرور کائنات حضرت محمد ﷺ نے اپنے صحابہؓ کی زندگیوں میں محیرّ العقول انقلاب پیدا کیا۔ اسی اکسیر کی بدولت ان کے حالات میں تغیر رونما ہوا۔ ان کی انفرادی اور اجتماعی زندگی کا پورا ڈھانچہ بدل گیا۔ بتوں کو پوجنے والے توحید پرست بن گئے اور جاہلیت کی تاریکیوں میں ٹھوکریں کھانے والوں کے سینے نورِ ایمان سے منور ہو گئے۔

حیاتِ انسانی کا عظیم الشان قصر ہر طرف سے مقفل تھا۔ حیاتِ انسانی کی اس مشکل کو بڑے بڑے دارالحکومتوں میں حل نہ کیا جا سکا۔ عظیم الشان یونیورسٹیاں اور درس گاہیں اس سے عاجز آ گئیں تو اللہ کی رحمت کو جوش آیا اور ایک پہاڑ کی چوٹی پر، ایک چھوٹی سے غار میں فرودش انسانیت کے عظیم محسن کے ہاتھ پر اس مشکل کو آسان کر دیا اور تمام اقفالِ حیات کی کلیدان کی خدمت میں پیش کر دی گئی یعنی ایمان باللہ والرسول والیوم الآخر کی شاہ کلید جس نے ایک ایک قفلِ حیات کو کھول دیا۔

بالخصوص اس کلید نے عقلِ انسانی کا قفل کھول دیا اور وہ انفس وآفاق میں اللہ کی بے شمار نشانیاں دیکھنے کے قابل ہو گئی اور شرک وبت پرستی کی برائی کو محسوس کرنے لگی اور دیکھتے ہی دیکھتے بڑے بڑے مشرک موحد بن گئے۔ بھیڑ، بکریوں اور اونٹوں کو چرانے والے اقوام وملل کے پاسبان بن گئے۔ نیابتِ الٰہی سے ہمکنار ہو کر عالم پر حکمرانی کرنے لگے۔

قصۂ مختصر یہ کہ افرادِ معاشرہ کی اصلاح کیلئے جتنا مؤثر کردار ایمان ادا کرتا ہے اور کوئی چیز نہیں۔

اس طرح دورِ جدید کے تمام مشکل مسائلِ حیات کو بھی ایمان کی بنیاد پر حل کیا جا سکتا ہے اور یہ بات بالکل غلط ہے کہ جدید مسائلِ حیات کیلئے یہ قدیم کلید کار آمد نہیں اور نہ ان کے حل کیلئے کسی جدید کلید کی ضرورت ہے

کیونکہ: ؎ زمانہ ایک، حیات ایک، کائنات بھی ایک دل کم نظری قصہ جدید و قدیم

زندگی کے مسائل جو آج سے ہزاروں سال پہلے تھے وہی آج بھی فکرِ انسانی پر تسلط جمائے ہوئے ہیں۔ فرق جو کچھ پڑا ہے وہ صرف یہ ہے کہ یہ مسائل نئے رنگ میں سامنے آئے ہیں۔ آج سے ہزاروں سال پہلے انسان کو امن کی ضرورت تھی اور آج بھی انسان اس کا بشدت ضرورت مند ہے۔ آفاتِ ارضی و سماوی، دکھ تکالیف اور بیماریاں پہلے بھی انسانوں کو لاحق تھیں اور آج بھی ہیں۔ انسان ایک دوسرے کے حقوق پر پہلے بھی ڈاکہ ڈالتا تھا اور آج بھی۔ جھوٹ، مکر و فریب، وعدہ خلافی، بدعہدی جیسے اوصافِ رزیلہ اس زمانے میں بھی انسان کیلئے مضر تھے، جب وہ اونٹوں اور گدھوں پر سواری کرتا تھا آج بھی جبکہ وہ کاروں اور جیٹ طیاروں میں سفر کرتا ہے ان کی مضرت میں کوئی کمی واقع نہیں ہوئی۔

خوفِ الٰہی سے عاری لوگوں اور انبیاء و رسلؑ کی تعلیمات سے انحراف کرنے والوں کی پہلے بھی کمی نہ تھی اور آج بھی کمی نہیں۔ پس جب زندگی کے مسائل اپنی حقیقت کے اعتبار سے پرانے ہی ہیں تو کیا مضائقہ اگر ان کا علاج بھی وہی اختیار کر لیا جائے جو صدیوں سے شافی ثابت ہو رہا ہے۔

یعنی: ﴿آمنت باللہ وملئکته وکتبه ورسله والیوم الآخر﴾ اور ایمان سے ہماری مراد دینِ اسلام کا پیش کردہ ایمان ہے۔ قرآن وسنت کا ایمان اور صحابہؓ و تابعینؒ کا ایمان، جو عرفانِ الٰہی، حسن نیت و اعتقاد اور عمل صالح سے عبارت ہے۔ وہ عقلی ایمان نہیں جو متکلمین کے ہاں ملتا ہے۔ نہ وہ روحانی ایمان جو اہلِ تصوف کا خاصہ اور نہ وہ خشک ظاہریت پر مبنی ایمان جو ایک مکمل اسلوبِ حیات ہے۔ حقیقی ایمان پوری زندگی پر اپنے نقوش و اثرات مرتب کرتا ہے اور اسے صبغۃ اللہ میں رنگ دیتا ہے۔ انسان کے افکار و نظریات اس کے جذبات و اطوار سب اطاعتِ الٰہی اور بندگیٔ رب کا نقشہ پیش کرتے ہیں۔ زندگی کا کوئی پہلو ایسا نہیں ہوتا جس پر یہ رنگ گہرا نہ ہو۔ ﴿صبغة الله ومن أحسن من الله صبغةً﴾ جو قوم ایمان سے منور زندگی بسر کرنا چاہتی ہے اسے اپنے جملہ اصول و مناہج تقاضائے ایمان کے مطابق بدلنا ہوں گے اور ہر اس چیز سے دست کش ہونا پڑے گا جو نورِ ایمان کا راستہ روکنے والی ہو۔ اگر کوئی قوم یہ قربانی نہیں دیتی مگر اسلام و ایمان کا دعویٰ کرتی چلی جاتی ہے تو اس کے اس دعویٰ کی کوئی حیثیت نہیں یہ دعویٰ بلا دلیل ہے۔ اے اللہ امت مسلمہ کی صراط مستقیم کی طرف رہنمائی فرما۔ (آمین)